ڈاکٹر تنظیم الفردوس

اُردو کا ایک فراموش شدہ شاعر: رنجور عظیم آبادی

(۱)

بیسویں صدی کی نویں دہائی میں جب مولانا ابوالکلام آزاد کے مکاتیب کی اشاعت[۱] ہوئی تو جہاں آزاد کے ذہنی وفکری تغیر وتنوع کی بعض صورتوں میں انقلابی کیفیات سے دنیا آگاہ ہوئی وہیں محمد یوسف رنجور عظیم آبادی کا نام بھی گوشۂ گمنامی سے باہر آیا۔ علم وادب کے شائقین کو نہ صرف اس بات کی خبر ہوئی کہ مولانا آزاد کی شخصیت اور ذہن وفکر کی تعمیر وتشکیل میں رنجور کا کیا حصہ ہے[۲] بلکہ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رنجور بیسویں صدی کے ابتدائی عرصے میں ایک ایسے پُر گو اور قادرالکلام شاعر تھے جن کی رباعیات کا ایک مجموعہ ان کی حیات میں شائع ہو چکا تھا[۳] اور اکثر کلام ادبی رسائل میں چھپتا رہتا تھا۔ یہ پختہ کار شاعر اپنی اس حیثیت کے علاوہ بھی نام وری کا حق دار تھا جو کہ اسے نہ مل سکی۔

شاعر ہونے کے علاوہ بھی ایک نمایاں معلم اور مدرس کی حیثیت سے رنجور کی خدمات کئی اعتبار سے قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مصنف ''تذکرۂ صادقہ''[۴] کے حقیقی بھانجے تھے۔ اس کے علاوہ صادق پور پٹنہ[۵] کی ایک اور اہم شخصیت شمس العلما مولوی محمد حسن آپ کے خالو تھے جن کی سرپرستی میں رنجور نے علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی[۶] اور فراغت کے بعد محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ میں مدرس ہو گئے۔ اسی ادارے کے ''پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ''[۷] کی ادارت بھی کرتے رہے۔

۱۸۹۰ء کے بعد کلکتہ منتقل ہو گئے جہاں کلکتہ یونیورسٹی کے بورڈ آف ایگزامنرز کے چیف مولوی مقرر ہوئے۔ تقریباً تیس سال تک وہ اس ادارے سے وابستہ رہے اور منصبی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے علاوہ بھرپور طریقے سے تصنیفی وتخلیقی مشاغل میں بھی مصروف رہے۔ رنجور کی شعری تصانیف کے علاوہ درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ ''کلامِ اردو''[۸] یہ مجموعہ مضامینِ نظم ونثر مطبوعہ الہٰ آباد، ۱۹۰۸ء۔ اس کتاب کا ایک انگریزی ترجمہ بھی ۱۹۱۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔

۲۔ ''اردو روزمرہ''[۹] نامی کتاب کلکتہ سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔ نصابی ضرورت کے تحت اس کتاب کو

لیفٹنٹ کرنل ڈی۔سی فلوٹ[۱۰] نے مرتب کیا تھا۔اس کتاب کے تین حصے ہیں۔دوسرے حصے میں ''وزیرلنکران کی سرگزشت'' کے نام سے ۴۷ صفحات پر مشتمل ایک آذر بائیجانی ترکی ڈرامے کا اردو ترجمہ مع حواشی ملتا ہے۔داخلی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ فلوٹ اور رنجور نے مل کر اس ڈرامے کو فارسی سے اردو میں منتقل کیا اور ضروری حواشی لکھے تھے[۱۱]۔فلوٹ کی مرتب کردہ اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی "ANNOTATED ENGLISH TRANSLATION OF URDU ROZMARRA" کے نام سے اسی سال کلکتہ سے چھپا جس کی تالیف میں رنجور نے فلوٹ کی مدد کی جس کا شکریہ فلوٹ نے ادا کیا۔[۱۲]

۳۔ وسطی درجے کے طلبہ کی خاطر ترتیب دیے گئے فلوٹ کے نصابی سلسلے میں رنجور نے ایک اور کتاب بھی مرتب کی جس کا نام "ANNOTATED GLOSSARY OF THE URDU ROZMARRAH" تھا مذکورہ کتاب ۱۹۲۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

۴۔ ''نظمِ منتخب'' کے نام سے مرتبہ کتاب اگرچہ درسی اور نصابی ضرورتوں کے پیشِ نظر تالیف کی گئی تھی لیکن اس کی مدد سے رنجور کے تنقیدی خیالات کے بارے میں رہ نمائی ملتی ہے۔یہ انتخاب آنرز اردو کے نصاب کے لیے کیا گیا تھا۔اس کتاب کی ترتیب میں رنجور کی مدد مولوی سجاد علی[۱۳] نے کی تھی۔یہ کتاب ۱۹۰۹ء میں کلکتہ سے چھپی تھی۔

علم و ادب سے ان کے شوق و شغف کا سب سے بھرپور اظہار ان کی شاعری سے ہوتا ہے۔اگرچہ بعض خاندانی روایات کے مطابق انھوں نے اپنا ضخیم دیوان نذرِ آتش کر دیا تھا۔اس عمل کے پسِ پشت شاید خاندانی پس منظر (وہ پس منظر جس میں علمائے دین اور تحریکِ آزادی کی عملی جدوجہد میں حصہ لینے والے کئی اہم کردار موجود ہوں) کا احساس تھا؛اسی احساس کے تحت ایسی شاعری جس میں معاملہ بندی اور ریختی جیسے کلام کی موجودگی نمایاں ہو،ان کے لیے ندامت کا سبب بنی ہو۔[۱۴]

شاعری میں رنجور کا زیادہ رجحان غزل کی طرف تھا۔اگرچہ ان کا اوّلین مجموعۂ کلام شائع ہوا وہ رباعیات کا مجموعہ ''گلِ صد برگ'' تھا لیکن ان کی غزلیں اور نظمیں اکثر اس وقت کے مختلف رسائل میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ان رسائل میں ''مخزن''،''شمس'' کلکتہ،''العلم''،اعظم گڑھ اور ''العلم'' حیدرآباد دکن،''الناظر'' اور ''الپنچ'' پٹنہ[۱۵] وغیرہ شامل ہیں۔نذرِ آتش کیے جانے کے باوجود ان کے کلام پر مشتمل کئی غیر مطبوعہ بیاضیں اب تک طبع ہو کر اہلِ علم کے سامنے آ چکی ہیں۔[۱۶]

۱۹۹۶ء ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ان کی دو بیاضیں ''کلامِ رنجور'' کے نام سے مرتب کیں جو

خدابخش لائبریری سے شائع ہوئیں۔ انھیں کی مرتب کردہ تیسری بیاض ''بیاضِ رنجور'' کے نام سے دو برس بعد اسی ادارے نے شائع کی۔[۱۷] اس اشاعت میں یہ خبر شامل تھی کہ خدابخش لائبریری میں رنجور کے تین قلمی نسخے بھی دریافت ہوئے ہیں، جن کی تدوین کے بعد ۲۰۰۰ء میں خدابخش لائبریری نے رنجور کے کلام کا تیسرا مجموعہ ''دیوانِ رنجور'' کے نام سے شائع کیا۔

> ''بیاضِ رنجور'' کی اشاعت کے وقت ''معروضات'' کے ذیل میں ڈاکٹر عقیل نے لکھا تھا کہ ''اپنے وقت کی اہم علمی وتہذیبی شخصیت، جس کے اسلاف کا سلسلہ سید احمد شہید اور ان کے رفقا سے ملتا ہو اور جس سے اثر قبول کرنے والوں میں مولانا آزاد جیسی نمایاں شخصیت ہو اور جو اپنے وقت کا ایک نمائندہ شاعر بھی ہو لیکن جس نے اپنے قابلِ رشک مذہبی وسیاسی پس منظر کے باعث خود اپنے کلام کو نذرِ آتش کر دیا ہو، اس کے نادر ونایاب کلام پر مشتمل بیاضوں کی دریافت یقیناً ایک اہم ادبی انکشاف سے کم نہیں''۔[۱۸]

اسی مضمون میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ''اب یہ وقت آ گیا ہے کہ رنجور کے بیشتر کلام کے نذرِ آتش یا ضائع ہو جانے کے باوجود ان کے دستیاب کلام اور مضامین کو مرتب کر کے نظم ونثر کے کلیات مرتب کیے جائیں تاکہ ان کی شخصیت اپنی فی الواقعی حیثیت کے ساتھ ہماری تاریخ علم وادب میں اپنی جگہ پا سکے۔ اور یوں اس زیادتی کا کچھ ازالہ بھی ہو سکے جو اتنے عرصے میں انھیں فراموش اور نظر انداز کر کے ہم ان کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔''[۱۹]

حقیقت یہ کہ کلامِ رنجور اور بیاضِ رنجور کی اشاعت کے بعد ہی خدابخش لائبریری میں موجود رنجور کی بقیہ بیاضیں منظرِ عام پر آئیں اور دنیا کو اس جوہرِ قابل کے کمالات کی خبر ہوئی۔ شاعرانہ کلام سے قطع نظر رنجور کی نثری تصانیف بھی قابلِ لحاظ تعداد میں اور موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں۔[۲۰]

رنجور کی نثری تصانیف (میں سے) اکثر درسی نوعیت کی اور نصابی ضرورتوں کے پیشِ نظر لکھی گئی ہیں۔ نثری تحریروں پر سید احمد بریلوی کی اصلاحی تحریک کا رجحان نمایاں ہے۔ ''دیوان رنجور'' سے اس بات کی خبر بھی ملتی ہے کہ ان کی نثر پر مشتمل ایک بیاض خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔[۲۱]

''نظمِ منتخب'' میں شامل اردو شعرا پر لکھے گئے تنقیدی شذرات بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں انیسویں صدی کے اکابر شعرا کے حالات اور کلام پیش کرتے ہوئے ان شعرا کے نمائندہ کلام پر مختصر تبصرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان تبصروں کی اس لیے بے حد اہمیت ہے کہ ان کی مدد سے رنجور کے شاعرانہ خیالات اخذ کیے جانے کے علاوہ شاعری کے ضمن میں بھی ان کے تنقیدی تصورات معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

اگر چہ ان کے تحریر کردہ یہ شذرات مختصر ہیں لیکن جو نکات ان میں ملتے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں۔ ان میں وہ ایک ایسے فرد کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں جو عقائد کے لحاظ سے انتہائی راسخ العقیدہ......لیکن غیر متعصب بھی ہے۔ آتش اور انیس کے بارے میں ان کے تاثرات اس کا واضح مظہر ہیں۔ انیس اور دبیر کے حوالے سے جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، وہ شبلی پر بھی ان کی ایک طرح کی تنقید کا پہلو رکھتا ہے۔[۲۲]

پروفیسر عبدالمنان بیدل نے اپنے مضمون میں رنجور کا شخصی خاکہ کچھ یوں پیش کیا ہے:

''راقمِ آثم کی پہلی حاضری بزمِ رنجور میں ۱۹۱۸ء میں ہوئی۔ آنکھوں سے مجبور تھے۔ وضع قطع سے مولوی معلوم ہو رہے تھے۔ منھ میں پان بھرا ہوا تھا.........بورڈ آف ایگزامنرز کے ممبر، کلکتہ مدرسے کے ہیڈ مولوی، مجھے صورت دیکھنے سے دھوکا ہوتا تھا۔ رنجور صاحب دیکھنے میں سرتاپا مولوی، نہایت ہی متین، سنجیدہ معلوم ہوتے تھے''۔[۲۳]

اس مقالے میں رنجور عظیم آبادی کے کلام اور شخصیت کے انھیں پہلوؤں کا ادراک کرتے ہوئے ان کے دستیاب شعری کلام کی روشنی میں بیسویں صدی کے اوائل میں جانے پہچانے شعری رویوں اور رجحانات کے پس منظر میں ان کے شعری مرتبے کا تعین کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

(۲)

انیسویں صدی کے نصف آخر کے شعری رجحانات کے پس منظر میں رنجور عظیم آبادی کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے جو چیز سب سے پہلے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہے وہ موضوعاتی تنوع کی ایک خاص فضا ہے۔ اس فضا کا ایک رنگ خالص روایتی اور مقلدانہ ہے جب کہ دوسری جانب غیر روایتی اسلوب کی کئی صورتیں نظر آتی ہیں؛ ان میں سے ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ طنز و مزاح کی دل چسپ آمیزش سے کام لیتے ہوئے بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستانی ثقافت پر پڑنے والے انگریزی کلچر کے اثرات کی عکس ریزی کرتے ہیں۔ مزید دل چسپ بات یہ ہے کہ غیر ملکی ثقافت کے اثرات کو نشان زد کرتے ہوئے کہیں پر وہ جدید شعری تحریکات کے زیرِ اثر منظومات و قطعات میں ایسا کاٹ دار لہجہ اختیار کرتے ہیں جو انھیں اکبرالہ بادی کے شعری اسلوب سے قریب کر دیتا ہے۔ اور کہیں اسی موضوع کے اظہار کے لیے وہ شاعری کی ایک خالص روایتی صنف کی مدد سے ایک غیر معمولی دل چسپ پہلو پیدا کرتے ہیں۔ یعنی ''ریختی'' کے اسلوب میں وہ مسلم خاندانی زندگی پر پڑنے والے جدید اثرات خصوصاً انگریزی کلچر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس دل چسپ انداز میں وہ ریختی کے روایتی اسالیب میں ایک نوع کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے اس طرح کے کلام میں انگریزی لفظیات کا پُر لطف استعمال الگ ہی معنی دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے رنجور کے کلام میں انگریزی الفاظ کے

استعمال میں وہ وسعت اور تنوع نہ ہو جو اس عہد کے نمایاں شاعر اکبرالہ بادی کی شاعری کا خاصہ ہے لیکن ان کے یہاں اِن الفاظ کے استعمال میں دل چسپی کا ایک منفرد رنگ ضروری دکھائی دیتا ہے۔ جس کا اندازہ انھیں خود بھی ہے:

میں اب تک حضرتِ رنجور کو ملا سمجھتی تھی
مگر وہ ریختی گوئی میں استاد، اے بوا نکلے ۲۴

رنجور عظیم آبادی کی شاعرانہ فضا کی ایک اور خاص کیفیت ان کا اصلاحی اسلوبِ شاعری ہے۔ یہ اصلاحی رنگ اُن کے دور کا ایک عام رنگِ شاعری ہے۔ رنجور کے اصلاحی کلام کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں وہ رنگِ اکبر کی پیروی میں طنزیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ یہ انداز غزلوں اور نظموں دونوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا قدرے منفرد اسلوب انھوں نے ریختی کی صنف میں پیش کیا ہے۔ ان کے دستیاب کلام میں اگرچہ ریختی کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں لیکن ان مختصر مثالوں میں بھی تنوعات کے کئی رنگ دکھائی دیتے ہیں؛ ایک رنگ تو ریختی کا روایتی رنگ ہے مثلاً؛

کیسا ناہموار بچہ ہے کہ چپ ہوتا نہیں
میرے ہاتھوں سے مگر اب اس کی شامت آئے گی
ساس جائے گی تو نند آجائے گی خم ٹھونک کر
ایک آفت جائے گی تو ایک آفت آئے گی
حشر کے دن لوٹ کر اب واں سے رحمت آئے گی ۲۵
زلیخا کی طرح کیوں مول لوں اک دردِ سر، باجی
کوئی یوسف سہی، میں باز آئی دل لگانے سے ۲۶

اب ذرا ریختی گوئی میں جدت کا یہ پہلو دیکھیے ؛

غرض سرمہ لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن اختری تعلیم پانے سے
عوض پاجامہ وشلوار کے میں گون کیوں پہنوں
مجھے کیا نفع انگلش لیڈیوں کا منہ چڑھانے سے
سنا ہے اک نگوڑی میم پہ لندن میں ریجھے ہیں
انھیں میں، ہائے کیا سمجھی ہوئی تھی اور کیا نکلے ۲۷

مذکورہ بالا آخری شعر کے موضوع کو ایک گیت میں ''چودھویں صدی کا بروگ'' کے نام سے پیش کیا ہے۔صرف ایک بند بطور نمونہ دیکھیے؛

بیاہ کر کے نہ سکھ میں نے پایا
تمرے جی میں تو لندن سمایا
ساتھ میمنی کا تم کو تو بھائیو
میں نے گھل گھل جیرا گنوایا
تم تو لندن سہروا چھائیو ۲۸

اس قسم کے کلام سے وہ ایک ایسے باشعور تخلیق کار کے طور پر سامنے آتے ہیں جو مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں سے خوب واقف ہے۔لیکن اپنے کلام میں مغربی تہذیب کی تنقید کرتے ہوئے ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کی بے عملی کو نشان زد کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔طنز کا یہ منفرد پہلو ان کے کلام میں ایک خاص مزاحیہ انداز سے نمایاں ہوتا ہے؛

اگرچہ ہتھیار سے ہیں ڈرتے مگر ارادے بڑے بڑے ہیں
ملے ہمیں تخت ورنہ تختہ، ہم اپنی اس بات پر اڑے ہیں
ہمیشہ سرکار انگلیشہ کو پانی پی پی کے کوستے ہیں
اگرچہ دل ہیں ہمارے بودے مگر زباں کے تو ہم بڑے ہیں
سودیشی کی کرتے ہیں حمایت، کہ بند ہو لندنی تجارت
قدم اکھڑ جائیں صاحبو کے جو عرصے سے ہند میں گڑے ہیں
سدا سے تھے ہم وحوش سیرت، غریقِ دریائے جہل وذلت
جو پڑھ کے انگریزی پائی عزت، تو ظرف تھا تنگ، ابل پڑے ہیں
غرض کے وقتوں میں ہم نے اکثر لگائی نو مسلموں سے یاری
مگر غرض جب رہی نہ باقی تو ان سے ناحق الجھ پڑے ہیں ۲۹

ان کے طنزیہ اسلوب کا ایک نمایاں لہجہ سماجی زندگی میں تبدیل ہوتے ہوئے نسوانی کردار کو بھی مخاطب کرتا ہے۔جو کئی مقامات پر ان کی روایتی غزلوں کے عمومی مزاج میں بھی جھلکتا ہے لیکن مزاحیہ اسلوب میں زیادہ ابھر کر سامنے آتا ہے؛

ہوئیں تعلیم پا کر بیبیاں اب لیڈیاں خاصی
بدل ڈالیں نہ بیگم سے لقب کو کیوں وہ میڈم سے
ہوئیں آزاد قیدِ شرع سے تہذیب کے صدقے
پکڑ کر دستِ نا محرم نہ کیوں اتریں وہ ٹُم ٹُم سے ۳۰

نسوانی کردار پراس تنقید کے دوران وہ مردوں کے تبدیل شدہ کردار کو بھی ہدفِ تنقید بنانے سے گریز نہیں کرتے؛ ریختی اورگیت کی طرح یہاں بھی وہ ایک خاص تنقیدی رویے کو اجاگر کرتے ہیں:

میں جنٹل مین ہوں معشوقہ بھی مِس مِل ہو یا مِس بِل آؤ
غرض ہے زہرہ خانم سے نہ کام اقبال بیگم سے ۳۱

یہی اسلوب بعض مقامات پرطنز کے اسی مخصوص انداز میں ایک زاویے سے انگریزی پرستی کے روپ میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔اہلِ ہند پر برطانوی راج؛ اورمملکتِ برطانیہ کے بین الاقوامی اختلافات کے سیاسی منظرنامے کا بیانیہ دیکھیے:

تہہ و بالا جہاں کو کررکھا ہے اپنی اودھم سے
سوا اس کے کہیں ہم کیا خدا ہی سمجھے ولیم سے
بہارِ جرمنی اب کوئی دم میں ہوتی ہے رُخصت
نہیں یہ وار اس کے حق میں کم ''وِنڈ آف آٹم'' سے
جو مارے جانے سے بچ بھی گئے اس جنگِ یورپ میں
وہ بے شک بہرے ہو جائیں گے توپوں کی دھما دھم سے ۳۲

بعض مقامات پراُن کی تخلیقی فکر کا یہ روپ بظاہر ایک سیاسی وفکری تضاد کی شکل میں بھی ابھرتا ہے ......ایک ایسا مسلمان شاعر جس کے گھرانے کی شہرت جنگِ آزادی میں شرکت اوراُس کی پاداش میں قید و بند کی سختی کے علاوہ جائداد کی ضبطی؛ یہاں تک کہ محلّہ صادق پور کی مسماری سے منسلک ہو، وہ اپنی نظم میں انگریزوں کی حاکمیت اور ہندوستانیوں کی محکومیت کو تاریخ کا لوازمہ قرار دے۔اوراس مقصد کے لیے تخلص تبدیل کر کے؛ یعنی'' میجر'' کے نام سے نظمیں لکھنے لگے۔لیکن ان کی اس انداز کی نظموں میں بھی طنز کی ایک زیریں سطح قارئین کومتوجہ کیے بغیر نہیں رہتی۔

تمھیں کیا نفع ہوگا انگلش سے لڑ کر
تم اپنا بگاڑو گے ان سے بگڑ کر

وہ حاکم ہیں اور ان کے محکوم ہو تم
چلو تم نہ انگریزوں سے یوں اکڑ کر
اگر تم کو کچھ عرض کرنا ہو ان سے
کرو خاک پر ناک اپنی رگڑ کر
نہ چھوڑوگے گر باتیں دیوانہ پن کی
رکھیں گے تمھیں چینس میں یہ جکڑ کر
نظیر ایسی دے سکتے ہو، ہسٹری سے
کہ اکھڑے ہوں جھنڈے کبھی ان کے گڑ کر
نمک کھا کے تم توڑتے ہو نمک داں
کرو توبہ کانوں کو اپنے پکڑ کر
بڑھیں آگے میٹریکولیشن سے کیوں کر
یہاں تک پہنچتے ہیں یہ مَر پچھڑ کر ۳۳

اسی انداز کی کچھ اور نظموں کو دیکھتے ہوئے ان کا تقابلی جائزہ رنجور کی دست یاب غزلوں سے کرنے کے بعد ایک دل چسپ حقیقت سامنے آتی ہے۔ کچھ مقامات پر تہذیبی تقابل کا یہ عمل اُن کی غزل میں ایک نوع کی تازگی پیدا کر دیتا ہے؛ دیکھیے

شیخ صاحب کام میں کس طرح لوں انکار سے
جب مجھے وسکی پلائے خود وہ مس اصرار سے
جب کہا میں نے بجھا مجھ تشنۂ الفت کی پیاس
بولے ”تھوڑی برف منگوا دوں تمھیں بازار سے“؟
ہے وہ میرا یوسفِ گم گشتہ لندن میں مقیم
مل گیا بارے پتا اس کا مجھے اخبار سے
رشتۂ الفت کو تم نے آج تک توڑا نہیں
ہو گیا اس کا یقیں مجھ کو تمھارے تار سے
دیکھ کر مجھ کو وہ مس کیا کیا کلیلیں بھرتی ہے
کم نہیں رَم کرنے میں وہ آہوئے کہسار سے ۳۴

اسلوب کی اس تازگی میں خیالات؛ روایت وجدت کی آمیزش سے نمو پاتے ہوئے لغت ولفظیات کی ندرت کا نیا رنگ پیدا کرتے ہیں؛

اتر جاؤں گا صحنِ خانہ میں بیلون میں اُڑ کر
مجھے روکے تو درباں خانۂ جاناں میں جانے سے
دیے ہیں جب اسے نیچر نے خود لب ہائے رمانی
کرے وہ کیوں لبوں کا خون ناحق پان کھانے سے
سنوں میں راگ مالا آپ کی کس وقت اے واعظ
مجھے فرصت نہیں مطلق مسوں کی مدح گانے سے
ڈئیر مس چوٹی کیوں گندھوا رکھی ہے زلفِ زریں کی
کریں گے آپ کیا تعذیرِ دل اس تازیانے سے ۳۵

اس قسم کے موضوعات میں تمدنی زندگی کی تبدیلی، بین الاقوامی صورتِ حال میں اہلِ مغرب کی بالادستی کے احساس کے علاوہ ان کے یہاں ہندوستان کی سماجی صورتِ حال پر تبصرہ بھی مخصوص بے ساختگی کے ساتھ ابھرتا ہے؛

فرض ہے ہر قول پر یورپ کے ایماں ان دنوں
اور پسِ پشتِ مسلماناں ہے قرآں ان دنوں
ہیں کہاں شیرو شکر ہندو مسلماں ان دنوں
رہتے ہیں آپس میں وہ دست و گریباں ان دنوں
لدگئے وہ دن کہ جب رہتی تھیں پریاں قاف میں
کہہ دو اِندر سے کہ یورپ ہے پرستاں ان دنوں
کس کو مکے سے غرض کس کو مدینے کی ہوس
ہے زیارت گاہ عالم انگلیستاں ان دنوں ۳۶

اب مختلف مقامات سے ان کی غزلیہ شاعری کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں تا کہ ان کے عمومی مزاج شعری کا اندازہ کیا جا سکے۔ روایتی موضوعات اور ان کی پیش کش کا روایتی انداز؛ عشقیہ، حزنیہ، بے ثباتی حیات اور تمدنی رویوں کی تبدیلی کی کسک بھی ان میں شامل ہے۔

ہمارے دل کو مٹھی میں وہ لے کے ہم سے کہتے ہیں
کہ ہم نے ایک اچھی سی تمھاری چیز پالی ہے
گر اے دل "ہر کمالے راز والے" کی مثل سچ ہے
تو جائے شکر ہے یہ بھی کہ مجھ میں بے کمالی ہے
سمجھ مجھ کو نہ بے کس اے عدو میں تجھ سے بہتر ہوں
وہ بت ہے گر ترا حامی مرا اللہ والی ہے [۳۷]

کرتا ہے عاشقوں پہ ستم ہائے نو بہ نو
اک عادتِ قدیم یہ چرخِ کہن میں ہے
مجنوں کی عرضِ حال پہ لیلیٰ نے یہ کہا
فرزانگی کی بو ترے دیوانہ پن میں ہے [۳۸]

ہیں اشک فشاں مژگاں برپاصفِ ماتم ہے
ایام ہیں فرقت کے یا ماہِ محرم ہے؟
آئینے میں کیا دیکھا ؟ کچھ بہرِ خدا بولو
کیوں بن گئے بت سے تم کیوں سکتے کا عالم ہے؟
احباب رفیق آتے ہیں قبر کی منزل تک
بعداس کے کوئی اپنا مونس ہے نہ ہمدم ہے
خوبانِ جہاں کی طرح اب بھی ہے جفا پیشہ
گو شدتِ پیری سے اب پشتِ فلک خم ہے [۳۹]

فرمائشِ عدو پہ ہیں سہلاً و طاعتہً
ناقابلِ قبول مرا التماس ہے [۴۰]

روایتی موضوعات کے پہلو بہ پہلو ان غزلوں میں تغیراتِ زمانہ کی تصویر کشی بھی غزل کے خصوصی

رچاؤ کے ساتھ موجود ہے؛

رنگا تھا ابا نے ہم کو جس رنگ میں ہے وہ رنگ ہم میں اب تک
خبر نہیں ہم کو اس کی مطلق کہ رنگِ دنیا بدل رہا ہے
یہ خانۂ دل جواب ہے ویراں مکیں ہے اب جس میں دیو حرماں
یقین جانو کہ مدتوں تک پری وشوں کا محل رہا ہے ۴۱

مشیر کار جس کا عشق ناہنجار ہوتا ہے
وہ اے دل ایک دن رسوا سرِ بازار ہوتا ہے
تمھارا نام کیا ہے؟ تم کہاں سے آئے؟ کیوں آئے؟
یہی مجھ سے سوال اس بزم میں ہر بار ہوتا ہے ۴۲

ہو نہ ہو، ٹھیس کہیں لگ گئی زخمی دل کو
آج پہلو میں مرے درد سوا ہوتا ہے!
عشوہ ہو، غمزہ ہو، شوخی ہو، حیا ہو یا ناز
ہر اک انداز ترا ہوشربا ہوتا ہے ۴۳

مری قسمت کہ ان کے درسے میں محروم آیا ہوں
جو اوروں کے لیے ابرِ کرم، بحرِ سخا نکلے ۴۴

تلمیحات و تلازمات کے استعمال کی مختلف نوعیتیں ملاحظہ کیجیے؛

یہ کیا ہے جو مجھے وہ خط پہ خط لکھ کر بلاتے ہیں
مرے حق میں گلی ان کی نہ اے دل کربلا نکلے ۴۵

پھر صدا آنے لگی پیہم شکست توبہ کی
پھر صبا کے ہاتھ پیغامِ بہار آنے لگے ۴۶

تغافل ،کج ادائی، بے وفائی ، عاشق زاری
بتوں کو کیا نہیں آتا یہ ہیں استاد ہر فن کے
وہ روٹھے ہیں ، تو گو مشکل نہیں ان کا منا لینا
مگرکب تک مناؤں، روٹھ جاتے ہیں وہ من من کے
تمھاری مانگ اب کیا مانگتی ہے نقدِ دل مجھ سے
وہ ہے مدت سے قبضے میں تمھاری چشمِ رہزن کے ۴۷

قائل ہے اب فضیلتِ پیرِ مغاں کا شیخ
دستار اپنی پھینک دی سر سے اتار کے
کیوں سروقد کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے
یہ زحمت اور واسطے مجھ خاکسار کے
جب صحبتِ رقیب پہ میں معترض ہوا
بولے جگہ گلوں کی ہے پہلو میں خار کے ۴۸

بقراط کو تو دیکھے تو ہو جائے وہ مجنوں ۴۹
اللہ بچائے تری جادو نظری سے

عام طور پر چھوٹی بحریں پسند کرتے ہیں کہیں کہیں اس سے انحراف بھی ملتا ہے لیکن بہت طویل بحروں کا تجربہ دکھائی نہیں دیتا:

کمی کس بات کی ہے اس ترقی کے زمانے میں
مگراخلاص والے دوست اب ملتے ہیں مشکل سے ۵۰

کیوں لوگ اکڑتے ہیں فراوانیِ زر سے
خم ہوتی ہے ہر شاخِ شجربارِ ثمر سے
کیا کام مجھے سیم و زرو لعل و گہر سے
مطلب ہے فقط تیری عنایت کی نظر سے ۵۱

مزید چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل میں یہ مشاق شاعر غزل کے روایتی موضوعات کو کس طرح جدید حسی تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے صنف غزل کی اسلوبیاتی توانائی اور تنوع کا مظاہرہ کرتا ہے؛

رم کرنے میں مشاق ہے گویہ دلِ وحشی
ممکن نہیں بچ نکلے ترے تیرِ نظر سے
اے بت ترے آتے ہی تنِ مردہ میں جاں آئی
حق یہ ہے کہ لوٹ آئے ہم اللہ کے گھر سے
میرے تنِ لاغر سے انھیں ڈر یہ لگا ہے
سبقت نہ یہ لے جائے کہیں میری کمر سے
اس خانۂ دل میں تو نہ در ہے نہ دریچہ
حیرت ہے مجھے سخت کہ آپ آئے کدھر سے ۵۲

بت بن کے تیری گالیاں کب تک سنا کروں
آخر خدا نے دی ہے دہن میں زباں مجھے ۵۳

اس دل کی حقیقت کیا، سو جانیں اگر ہوتیں
اے جانِ من اک اک ہم تجھ پر ہی فدا کرتے
گر تیری توجہ سے بر آتی مراد اپنی
داتا ترے حق میں ہم مولیٰ سے دعا کرتے ۵۴

کیا زمانے کا مذاق اب ہے یہی اے قاتل
جان سے جائے کوئی دیکھے تماشا کوئی
ہائے وہ وصل کی شب مجھ سے کسی کا کہنا
آپ کے دل میں نہیں اب تو تمنا کوئی
کیا مرے ساتھ ہی دنیا سے اٹھی رسمِ نیاز ۵۵
کیوں اٹھاتا نہیں اب ناز کسی کا کوئی

غزل کے تمام ہی اسالیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملکِ ملیحاں کا تعارف بھی دیکھیے ؛

طریقِ عشق میں کس کی رفاقت کون کرتا ہے
ہماری ہے خبر دل کو نہ دل کی ہے خبر ہم کو
حرم ہو بتکدہ ہو شہر ہو صحرا ہو گلشن ہو
جدھر جاتے ہیں ہم آتا ہے تو ہی تو نظر ہم کو ۵۶

ایسی جگہ بتائے کوئی وہ جہاں نہیں
اس کا ظہور کون و مکاں میں کہاں نہیں
دنیا میں جورِ چرخ کے شاکی کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں ۵۷

بنگالے میں آئے نہ کبھی کوئی بھی زخمی
یہ ملک ملیحاں ہے، نمکدان بہت ہیں ۵۸

اے شیخ رند ناطقہ تیرا کریں گے بند
ان سے الجھ نہ بحثِ عذاب و ثواب میں
وہ شانِ دل بری میں ہے یکتائے روزگار
اے میری آنکھوں فرد ہو تم انتخاب میں ۵۹

مذکورہ بالا شعر غزل کے ہم عصر اسلوب سے کس قدر قریب ہو جاتا ہے؛

سنے ہیں بہت جذبِ دل کے فسانے
کسی کو یہاں کھینچ لائے تو جانوں
ہوا کہنہ افسانۂ طور و موسیٰ
کوئی جلوہ مجھ کو دکھائے تو جانوں
صبا کوئے قاتل میں جاتی تو ہے تو
سلامت وہاں سے پھر آئے تو جانوں ۶۰

آ گئے تھے اس طرف اصرارِ طفلِ دل سے ہم
کیوں خفا ہوتا ہے جاتے ہیں تری محفل سے ہم ۶۱

اپنے ہم عصروں کے احترام کا رویہ تو ان کے کلام میں جھلکتا ہی ہے۔ وہ ان ہم عصر اہلِ کمال کے دنیا سے اُٹھتے جانے کو نقصان سمجھ کر آہ وزاری بھی کرتے ہیں، خصوصاً عظیم آباد (پٹنہ) کے صاحبانِ علم وفن کو، ان کے مرتبے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہی ہیں لیکن دہلی میں رونما ہونے والے علمی خلا کا دکھ بھی نہ صرف محسوس کرتے بلکہ اسی شدت سے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں؛

باعثِ فخرِ عظیم آباد ہیں آزاد بھی
بسمل ویاس واثر بھی ہیں ،نسیم و شاد بھی ۶۲

تھا کبھی سر چشمہ یہ رنجور علم و فضل کا
تھا عظیم آباد یہ پٹنہ عظیم آباد بھی ۶۳

کب چین ہے قسمت میں مجھ آوارہ وطن کی
لے لیتا ہوں دم، چھاؤں جہاں مل گئی گھن کی
جس روز سے دنیا سے گئے رعب سخنور
آتی نہیں خوش انجمن شعرو سخن کی ۶۴

سخن سنجان نام آور سے دہلی آہ خالی ہے
نہ ذوق وداغ ومومن ہیں نہ غالب ہے نہ حالی ہے ۶۵

پروفیسر عبدالمنان، رنجور کی ثقاہت اور رنگِ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ایک عالم و فاضل عاشقانہ جذبات کی بھی سچی عکاسی'' اور پھر رنجور کی زبانی سنا ہوا یہ شعر درج کرتے ہیں؛

دشمن نظر بچا کے دبے پاؤں ہٹ گیا
میں اپنے سر پہ کھیل کے مقتل میں ڈٹ گیا ۶۶

آگے چل کر لکھتے ہیں ''بقول معین الدین دردائی،'ان کے کلام میں شوخی وظرافت کافی پائی جاتی ہے' ان اشعار کو پڑھ کر اکبر مرحوم کی روح کو دعا دینے کو جی چاہتا ہے''۔۶۷ اس قبیل کے اشعار ذیل میں پیش کیے

جارہے ہیں؛

ہیں زخمِ دل کے واسطے ساماں نئے نئے
نشتر نئے نئے ہیں، نمک داں نئے نئے
کس کو غرض دھرم سے کسے کام دین سے
ہندو نئے نئے ہیں، مسلماں نئے نئے
پڑھتے ہیں سب بجائے غزل کے 'بلینک ورس'
اب ہیں مشاعروں میں غزل خواں نئے نئے
ماں باپ کا ادب ہے نہ استاد کا لحاظ
پڑھتے سبق ہیں طفلِ دبستاں نئے نئے
کیوں بیخ و بُن سے اکھڑے نہ وضعِ قدیم شرق
آتے ہیں سمتِ غرب سے طوفاں نئے نئے ۶۸ے

عورتوں سے دور ہوگی اب جہالت کی بلا
زیرِ بحث قوم ہے تعلیمِ نسواں ان دنوں
میں تو اے مس کہہ رہا ہوں تھینک یو ھل من مزید
ظلم کرکے مجھ پہ تو کیوں ہے پشیماں ان دنوں
ایشیائی اور افریقی سبھی حیران ہیں
ہیں فقط یوروپین دنیا میں انساں ان دنوں
کیا خبر ان کو کہ دنیا چل رہی ہے کس طرح
سو رہے ہیں خوابِ غفلت میں مسلماں ان دنوں ۶۹ے

گزشتہ عظمتِ اسلام کا اے دل بیاں کب تک
زمانے میں خزاں کے عہدِ گل کی داستاں کب تک
سوائے سرمۂ چشمِ بصیرت مسلم اب کیا ہیں
انھیں پیسے گی تُو اے آسیائے آسماں کب تک

تلا ہے جب یہ چرخِ نیلگوں اس کو مٹانے پر
رہے گا شوکتِ اسلام کا نام و نشاں کب تک ۷۰

بے ثباتی حیات کے ذکر کے ساتھ بعض عارفانہ موضوعات بھی اسی روانی اور بے تکلفی سے بیان کرتے جاتے ہیں؛

ترے جلوے ہیں موجوداتِ عالم میں عیاں کیا کیا
ترے انوار ہیں آنکھوں کے پردے میں نہاں کیا کیا
میں ہوں مستِ مئے عرفانِ حق مجھ سے کوئی پوچھے
کہ ان آنکھوں کے پردے میں تماشے ہیں نہاں کیا کیا
جہاں آنکھوں میں گو تاریک ہے مایوس کیوں ہوں میں
خبر کیا غیب کے پردے میں جلوے ہیں نہاں کیا کیا
نہ اب قصرِ فریدوں ہے نہ اب ایوانِ کسریٰ ہے
مٹائے نامیوں کے چرخ نے نام ونشاں کیا کیا
مثالِ دانہ افلاطون و بطلیموس سے دانا
پسے ہیں آہ زیرِ آسیائے آسماں کیا کیا
یہ سر سید کی تربت ہے یہ شبلی کی یہ حالی کی
ہوئے زیرِ زمیں رنجور گنجینے نہاں کیا کیا ۷۱

میری خطائیں خود ہوئیں میرے لیے شفیع
رحم اس کو آیا مجھ کو گنہگار دیکھ کر
دستِ کرم نے پلّہ نیکی جھکا دیا
میری بدی کا پلّہ گراں بار دیکھ کر
دنیا کے کاموں میں تو یہ کھاتی ہے ٹھوکریں
دیں میں بنانا عقل کو معیار دیکھ کر ۷۲

عرشِ خدائے پاک ہے دولت سرائے دل
کیوں نہ ہو آسماں پہ دماغِ گدائے دل ۳ے

کیوں کہوں کچھ بھی نہ ہوگا روزِ محشر ہاتھ میں
ہوگا اے رنجور دامانِ پیمبر ہاتھ میں ۴ے

گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی چند مثالوں میں بھی رنجور کے یہاں انگریزی لفظوں کے استعمال کی مختلف جہتیں سامنے آئی ہیں۔ کلامِ رنجور میں انگریزی الفاظ و مرکبات کے استعمال کی چند مزید مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر اس اسلوب میں رنجور کے کلام کا مکمل تجزیہ کیا جائے تو کئی دلچسپ نتائج سامنے آئیں گے۔

اگر ہوگا کسی لڑکی سے کوئی طالبِ شادی
تو پہلے کورٹ شپ سے اس کے لَو کا امتحاں ہوگا ۵ے

ہوئی کیا ڈاک گاڑی لیٹ کلکتے پہنچنے میں
کہ گیارہ بج چکے ہیں لیکن پر نہ خط آیا مری جاں کا
مجھے اخبار میں جنرل نہ لوکل نیوز سے مطلب
مگر ہو اس میں کالم واقعاتِ کوئے جاناں کا
کریں گے ڈاکٹر کیا خاک تشخیصِ تپ فرقت
پتہ تھرمامٹر سے کیا ملے گا سوزِ پنہاں کا ۶ے

ہمارے درمیاں جاری ہے ٹیلی فون وائرلیس
غرض ہے نامہ بر سے کچھ، نہ مطلب ڈاک خانے سے ۷ے

رنجور کے کلام کے موضوعات اور اسالیب کے تنوع کے ساتھ ساتھ زبان پر ان کی قدرت کو دیکھتے ہوئے انھیں، اُن کے زمانے کے استادانِ سخن میں شمار کیا جانا بے جا نہ ہوگا۔

شررِ عشق نے وہ آگ لگائی دل میں
گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

کب سے دل میں مرے مہمان بنے بیٹھے ہیں
مجھ سے اب تک مگر انجان بنے بیٹھے ہیں

ہر ادا اُن کی مری جان لیے لیتی ہے
گو وہ ظاہر میں مری جان بنے بیٹھے ہیں ۷۸

غزلیات کے علاوہ کلام رنجور کا قابلِ ذکر حصہ ان کی تضامین پر مشتمل ہے۔ دیوان رنجور میں ان کی تعداد ۲۶ ۷۹ ہے۔ تضمین کے لغوی و اصطلاحی معنی کی بحث میں جانے کی نہ یہاں گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ مختصراً یہ کہ تضمین صنائع لفظی کی ایک قسم اور شاعری میں عروض کی اصطلاح قرار دی جاتی ہے۔ جس میں کسی کے مشہور مضمون یا شعر کو اپنی نظم میں داخل یا چسپاں کر کے، دوسرے کے شعر پر بند یا مصرعے لگائے جاتے ہیں۔ ۸۰ اور یہ بھی درست ہے کہ:

> ''عمدہ تضمین کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تضمین نگار میں چند ایسی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے جو اسے دیگر شعرا سے ممتاز کر دیں۔ اس سلسلے میں اسے عمدہ اور اعلیٰ قوتِ متخیلہ کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ بھی درکار ہوتا ہے......اس امر کے لیے ذہانت شرطِ اول ہے۔ ایک کامیاب تضمین نگار اپنی ذہانت، خداداد تخلیقی صلاحیت، قوتِ متخیلہ، فکری گہرائی اور وسعتِ مطالعہ سے ایک عام اور روایتی مضمون کو عمدہ تضمین سے ترفع بخش دیتا ہے'' (۸۱)

رنجور عظیم آبادی کی یہ تضامین زیادہ تر ان کے ہم عصر شعرا کے کلام پر مبنی ہیں جن کے تفصیلی مطالعے کے بعد تضمین نگاری میں ان کی خلاقانہ اہمیت کا جائزہ لینا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ یہاں صرف ان کی تضامین کی شماریاتی تفصیل پیش خدمت ہے کیوں کہ ان تضامین کے تفصیلی تجزیے کی صورت میں اس مقالے کی ضخامت ممکن ہے کہ دوگنی ہو جائے۔ رنجور کی تضامین میں اکبر کی چار غزلوں پر تضامین کہی گئی ہیں جن کے پہلے مصرعے یہ ہیں؛

(۱) نہ فصاحت نہ ہے بلاغت نہ اب ہے علم البیان باقی
(۲) بتوں کی جستجو میں دیر کے عازم نہ ہم ہوں گے
(۳) خدا گر راس لائے ہم بتوں کی کان دیکھیں گے
(۴) نہ ضد کیجیے اور نہ ہٹ کیجیے ۸۲

حالی کی جن تین غزلوں کی تضامین ہیں ان کے اولین مصرعے یہ ہیں؛

(۱) اے عشق تونے آخر فتنہ اُٹھا کے چھوڑا
(۲) جب سے پنہاں ہوئی اس رشکِ قمر کی صورت
(۳) باز آئے گو نہ بیانِ حالتِ دل سے ہم ۸۳

جنگ میرٹھی کی غزل پر تضمین کا پہلا مصرعہ یہ ہے؛

خانۂ دشمن کو جا کر باغِ رضواں کردیا ۸۴

نشاط امروہوی کی غزلوں پر دو تضمینیں یہ ہیں؛

کن تمناؤں کے ساتھ اس بت کے گھر جاتے ہیں ہم

جی چاہتا ہے یہ نہ ملیں اب کسی سے ہم ۸۵

ابوالکلام آزاد دہلوی (۸۶) کی ایک غزل پر یہ تضمین لکھی ہے؛

یاں تو جلدی انتہا کی عمرِ مستعجل میں ہے ۸۶

جلیل مانک پوری کی غزل پر یہ تضمین ملتی ہے؛

فرقت میں تری چین کی صورت نہیں دیکھی ۸۸

فکر عظیم آبادی کی غزل کی تضمین یوں شروع ہوتی ہے؛

کب کوئی بات بھی ہم ان سے نہاں رکھتے ہیں ۸۹

عظیم عظیم آبادی کے کلام پر تضمین کا آغاز یوں ہوتا ہے؛

نہ اگلی وضع کی شائق میسر بیبیاں ہوں گی ۹۰

عبدالرزاق کلامی کی غزل کی تضمین یوں شروع ہوتی ہے؛

کچھ پوچھیے نہ رتبۂ عالی جائے دل ۹۱

امیر مینائی کے کلام کی تضمین یوں شروع ہوتی ہے؛

مجھ سا عاشق نہ ملے گا بخدا میرے بعد ۹۲

ان کے علاوہ نسیم دہلوی، آتش اور داغ کی تضمینیں بھی ہیں؛

پہلے سے بڑھ کے الفت اپنی جتانے لگے ۹۳

گاتا ہے اپنی مدح کا تو خود ترانہ کیا ۹۴

اور داغ کے کلام پر کہی گئی تضامین کے اولین مصرعے کچھ یوں ہیں؛

(۱) ہم سے کیوں ہوتا ہے بیزار چلے جاتے ہیں
(۲) کہاں شکستہ دلوں کا خیال کرتے ہیں
(۳) اعجوبہ کیفیت دلِ نا شادماں کی ہے ۹۵

اسی مجموعے میں فارسی کلام کی تضمینیں بھی ہیں۔ ایک تو حافظ کی مشہور غزل پر یوں شروع ہوتی ہے۔

آنچہ معیوب شمرد ہنر می بینم ۹۶

جب کہ دوسری تضمین پر یہ عبارت لکھی ہے "تضمین برغزل شعرفارسی لامعلوم":

ز دنیا چو حرمان و غم بہرہ باشم ۹۷

رنجور کی غزلیات کی طرح ان کی تضامین میں بھی ایک طرح کا موضوعاتی تنوع ملتا ہے۔ مثلاً اکبر، عظیم عظیم آبادی (یہ بھی اکبری کی زمین ہے۔) اور حالی کی "اے عشق.........کی غزلوں پر کہی گئی تضامین کے موضوع سماجی واصلاحی نوعیت کے ہیں اور یہی صورت حال حافظ کی غزل کے ساتھ بھی ہے۔ جب کہ بقیہ تمام شعرا کی تضامین کا موضوع وہی ہے جو ان غزلوں کا مزاج ہے۔ یعنی تضمین کہتے ہوئے رنجور بالعموم شاعر کے اصل رجحان کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں ایک اور تضمین کچھ مختلف طرز کی ملتی ہے۔ جس کا عنوان ہے "تضمین برشعر قادیانی"۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

سارے جہاں سے بہتر ہے قادیاں ہمارا ۹۸

اسی نوع کی ایک اور نظم بھی "دیوانِ رنجور" میں ملتی ہے:

مرزائے قادیاں تھے پیمبر دریں چہ شک ۹۹

ان دونوں نظموں میں وہ تیز طنزیہ لہجے میں قادیانی عقائد کے خلاف اپنے مذہبی جذبات کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے کلام میں "انگریزی لباس" ۱۰۰ کے عنوان سے ایک ایسی نظم بھی ملتی ہے جس میں وہ بدیسی لباس اور پہناوے کی مضبوط وکالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ نظم سب سے پہلے "مخزن" جولائی ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی بعدازاں یہ رنجور کی تصنیف "کلامِ اردو" میں بھی شائع ہوئی۔ خطوطِ آزاد مرتبہ مالک رام میں رنجور کے نام لکھے گئے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ رنجور نے اس نظم کی اولین اشاعت "لسان الصدق" میں کرنی چاہی تھی۔ بلکہ شاید کاپی بھی جوڑی جا چکی تھی لیکن آزاد انھیں اس کی اشاعت سے روکتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میں ابھی ہرگز پسند نہیں کرتا کہ لسان الصدق میں نظم کا حصہ شروع ہو۔ آپ کو ذرا اور انتظار کرنا تھا۔ خیر، اب بھی اس نظم انگریزی لباس کی کاپی نکال دی جائے۔ ہرگز شائع نہ کیجیے۔ رسالے کی ایک

مخصوص روش رہنے دیجیے۔" ۱۰۱؎

اس نظم میں رنجور اپنے ایک عزیز سید امجد علی سے ایک مکالمہ کرتے ہیں جس کا موضوع یہ سوال ہے کہ بھائی امجد نے مقامی رقومی لباس ترک کر کے انگریزی پہناوا کیوں اختیار کیا ہے۔ دونوں کے دلائل کے بعد پہلے بھائی امجد بات ختم کرتے ہوئے کہتے ہیں؛

نہیں اسلام میں لباس کی قید
چاہیئے دل میں ہو نہ مکروکید
باطن انسان کا درست رہے
چاہے پھر جو لباس وہ پہنے
ہے مسلماں کو صرف یہ لازم
رہے پابندِ شرع وہ دائم
جو اوامر ہیں وہ بجا لائے
جو نواہی ہیں ان سے باز آئے ۱۰۲؎

اور نظم کا اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے؛

اتنی تقریر ہونے پائی تھی
کہ یہ آواز غیب سے آئی
"در خصوصیتِ لباس مکوش
قولِ سعدی بشنو ز گوشِ ہوش
در عمل کوش، و ہر چہ خواہی پوش
تاج بر سر بنہہ ، علم بردوش" ۱۰۳؎

دیوانِ رنجور میں صفحہ ۱۴۷ ہی پر "الف با" کے عنوان سے ایک نظم کے صرف دو شعر ملتے ہیں جن میں حروفِ تہجی کی پہچان اور اس پہچان سے دینی شناخت کے اظہار کی کوشش کی گئی ہے۔ دیوان ہی میں ایک نظم "تارک الصوم کی کریما" ۱۰۴؎ کے نام سے ہے جس میں فارسی کی مشہور نظم "کریما" کی طنزیہ تضمین کی ہے۔

دیوان میں دو قطعاتِ تاریخ پر مشتمل منظومات بھی ہیں۔ پہلی نظم تو ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کے سلسلے میں ہے جس کا اختتام یوں ہوتا ہے؛

لکھیں سالِ تاریخ اس جشن کی ہم
یہی فکر تھی آج ایڈورڈ ہفتم
ندا از سرِ چرخ آئی کہ '' تم کو
مبارک ہو یہ تاج ایڈورڈ ہفتم'' ۱۰۵

۱۹۰۲ء

جب کہ دوسری نظم میں مولوی سید رحیم الدین صاحب مہجور مالک وایڈیٹر اخبار ''الپنچ'' پٹنہ کی تاریخِ وفات کہی گئی ہے۔ پہلی نظم کا اسلوب قطعی رسمی بلکہ سپاٹ اور غیر جذباتی سا تھا لیکن اس دوسری نظم میں شاعر کے جذبات کی شدت نمایاں ہے جس سے مولوی رحیم الدین سے رنجور کی قلبی وابستگی ظاہر ہوتی ہے :

سالِ تاریخ کی ہوئی جب فکر
ناگہاں غیب سے یہ آئی ندا
سید و مولوی رحیم الدین
ہوگئے رہ گزارے دارِ بقا ۱۰۶

۱۹۰۲ء

رنجور عظیم آبادی کی تحریر کردہ ایک تاریخ خطوطِ آزاد میں بھی رنجور کے نام لکھے گئے خطوط کے آخر میں بطور ضمیمہ درج ہے۔ یہ قطعۂ تاریخ آزاد کی تصنیف ''حیات حکیم خاقانی شروانی'' (۱۰۷) پر رنجور نے لکھ کر بھیجی تھی۔ قطعہ یہ ہے:

خاقانی با کمال کا حال
اس پر لطفِ بیان ِ آزاد
جو لفظ ہے مصری کی ڈلی ہے
کیا شیریں ہے زبانِ آزاد
صفحے نہیں ، تختہ ہائے گل ہیں
کہیے اسے ، گلستانِ آزاد
گو ہند میں ہیں بہت سخن ور
ہے سب سے نرالی شانِ آزاد
بہرہ ہی نہیں انھیں سخن سے
ہیں جو کہ نہ قدر دانِ آزاد

آزاد کو حق رکھے سلامت
برباد ہوں دشمنانِ آزاد
ہو نشو ونما پہ، یا الٰہی
دائم فکر جوان آزاد
ہر دم رہے باڑھ پر خدایا
آبِ طبع روانِ آزاد
تاریخ کی فکر اگر ہے، رنجور
لکھ دو: ''ہے ارمغانِ آزاد'' ۱۳۲۰ھ

اس کے علاوہ ان کے یہاں چند انگریزی نظموں کے تراجم بھی ملتے ہیں۔ ان تراجم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصابی ضروریات کے پیشِ نظر کیے گئے ہیں۔ ان نظموں میں انیسویں صدی کی انگریز شاعرہ فیلیسا ڈورتھی ہیمنس ۱۰۸ کی دو نظمیں ''کا سابیانکا'' ۱۰۹ اور ''تارے'' ۱۱۰ کے عنوان سے شامل ہے۔

اب تک رنجور کے بارے میں جو مآخذات دستیاب ہوئے ہیں ان کے مطابق ان کی شعر گوئی کے شواہد عمر کے اواخر تک ملتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے استادانہ مقام کے تعین کے لیے شوق سندیلوی کے نام ان کا وہ خط بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے جو ''اصلاحِ سخن'' میں شامل ہے۔ ۱۱۱ یہ امکان ضرور ہے کہ ان کا بہت سا کلام کسی وجہ سے ضائع بھی ہوا ہو۔ ۱۱۲ لیکن خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع ہونے والے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بڑے پُرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ اگر اس قسم کی روایتوں کو درست مان بھی لیا جائے کہ انھوں نے کسی موقع پر اپنا بہت سا کلام ازخود نذرِ آتش کر دیا تھا تب بھی ان کا دستیاب کلام معیار اور مقدار ہر دو اعتبار سے وقیع اور قابلِ اعتبار ہے۔

اس کے علاوہ ان کے کلام میں موجود کئی واضح طور پر متضاد رنگ؛ ان کے کلام کے تفصیلی تجزیے کی ضرورت کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ ایک جانب وہ غزل کے عمومی رجحانات کے نمائندے دکھائی دیتے ہیں، دوسری جانب وہ غزل میں کہیں مزاح اور کہیں طنز کی آمیزش سے ندرت پیدا کرتے ہیں۔ پھر اُن کے کلام میں ریختی کی پیش کش کے دو نمایاں اسالیب: ایک روایتی اور دوسرا طنزیہ و مزاحیہ۔ ہلکی پھلکی مزاحیہ نظمیں بھی لکھتے ہیں اور نصابی ضروریات کے تحت سادہ اور رواں انداز میں نظموں کے تراجم بھی کرتے ہیں۔ تضامین کی معقول تعداد اور ان تضامین کے موضوعات اور اسالیب میں تنوع کی ایک خاص کیفیت؛ اور ان سب سے بڑھ کر نظریاتی کشمکش کا ایک خاص اسلوب۔ کشمکش کا یہ اسلوب بعض مقامات پر شخصی و نظریاتی تضاد کا آئینہ دار بھی ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر ان کی غزلوں کی طرح ان کی منظومات اور تضامین کا تنقیدی جائزہ بھی ان کے فنی اور

تخلیقی شعور کے علاوہ ان کی فکر اور رجحانات کے منفرد گوشے وا کرتا ہے۔ اور اس ضرورت کا احساس بھی دلاتا ہے کہ رنجور عظیم آبادی کی شخصیت اور کلام کے مزید تفصیلی مطالعے کی ضرورت ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ امکان ہے کہ اکبرالہ آبادی سے منسوب تیکھے آہنگ و انداز کے مزید شوخ رنگ دریافت کیے جاسکیں۔

حواشی:

۱۔ فاطمی، قدرت اللہ (مرتبہ) ''مکاتیبِ آزاد'' مشمولہ خدا بخش لائبریری جنرل (پٹنہ) ۱۹۸۸ء، ص ۴۷ و نیز مالک رام مرتبہ ''خطوطِ ابوالکلام آزاد''، ۲۰۱۴ء، لاہور، ص ۲۴ تا ۷۷

۲۔ عقیل، معین الدین، ''تنقیداتِ رنجور'' مشمولہ ''ہماری زبان'' انجمن ترقی ہند، ۱۹۹۵ء، دہلی، شمارہ ۴۱، جلد ۵۴، یکم نومبر و نیز کلامِ رنجور عظیم آبادی، ۱۹۹۶ء، ص ۳۔۹ ...... رنجور کے مولانا ابوالکلام آزاد سے ربط و تعلق کی نوعیت کا علم مولانا آزاد کے ان خطوط سے ہوتا ہے، جو حالیہ چند برسوں میں شائع ہوے ہیں۔ مولانا آزاد کے لیے وہ ایک سچے دوست، شفیق، مکرم، عنایت فرما، برادرم، برادر شفیق وغیرہ رہے ہیں۔ انھوں نے مولانا آزاد کی شخصیت کی تعمیر میں اس زمانہ میں جب ذہنی سطح پر مولانا آزاد نے اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی سے الگ راہ اختیار کرنا چاہی تھی تو رنجور ہی نے ان کے باپ اور بڑے بھائی کا خلا پر کیا۔ مولانا آزاد سے ان کے روزمرہ کے روابط رہے اور ابتدا سے وہ ''احسن الاخبار''، ''انجمن'' اور'' دار الاخبار'' کی تجویز اور انتظام کے ایک شریک اور معاون رہے تھے۔ مولانا آزاد نے انگریزی انھیں سے سیکھی تھی اور وہ مولانا آزاد کو مشورہ اور اصلاحِ سخن بھی دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آزاد اور رنجور کے مراسم میں حفظِ مراتب کے لحاظ کے باوجود ایک نوع کی بے تکلفی بلکہ کسی حد تک شوخی بھی شامل تھی۔ بلکہ آزاد نجی مسائل کا تذکرہ بھی ان سے بے تکلفانہ طریقے سے کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (خطوطِ آزاد، مرتبہ، مالک رام، ۲۰۱۴ء، لاہور، ص ۲۲ تا ۷۷ و نیز کلام رنجور۔ ص ۷)

۳۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ ''گلِ صد برگ'' کے نام سے ''ستارہ ہند'' پریس کلکتہ سے چھپا تھا جس میں سو رباعیات شامل تھیں لیکن یہ مجموعہ رباعیات کمیاب رہا۔ بحوالہ ندوی، احمد اللہ، سید، ''مسلم شعرائے بہار'' حصہ دوم (سن ندارد) ص ۸۲ و نیز ''تذکرۂ صادقہ''، اشاعت سوم، ص ۱۴۲ اور ''تذکرۂ کاملانِ بہار''، ص ۱۱۲۔

۴۔ مولانا عبدالرحیم، رنجور کے ماموں تھے۔ سید احمد شہید کی تحریک سے وابستگی کی بنا پر دیگر افراد خاندان کی طرح آپ کو بھی قید و بند کی صعوبت اٹھانا پڑی۔ کم و بیش ۱۸ سال جزائر انڈیمان میں گزارے۔ اپنے خاندان کے احوال میں ایک کتاب ''الدرالمنثور فی تراجم اھل صادقپور المعروف بہ تذکرۂ صادقہ'' ۱۹۰۱ء میں تصنیف کی جو ۱۹۲۷ء میں الہ آباد سے شایع ہوئی۔

۵۔ سید احمد اللہ ندوی کے (''تذکرۂ مسلم شعرائے بہار'' حصہ دوم، کراچی، سن ندارد) کے مطابق انھوں نے انٹرنس کا امتحان کلکتہ یونیورسٹی سے پاس کیا تھا۔ جب کہ ''تذکرۂ کاملانِ بہار'' مطبوعہ ''خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ،

ص۱۱۰ تا ۱۱۲ پر پروفیسر عبدالمنان بیدل نے ''سات ستارے'' نامی مضمون میں آپ کا تذکرہ لکھتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ آپ نے ۱۸۸۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تھا۔

٦۔ غالباً ۱۸۸۴ء میں ''پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' جاری کیا گیا: بحوالہ تذکرۂ مسلم شعرائے بنگال، ص۸۲۔

۷۔ بقول ڈاکٹر عقیل اس گزٹ اور اس سے ان کی وابستگی کا ذکر اردو صحافت سے متعلق ماٰخذ میں موجود نہیں لیکن یہ خاندانی شہادت ہے جس کی تصدیق ہم عصر رسالہ ''مخزن'' جولائی ۱۹۰۴ء کے اس شذرہ سے ہوتی ہے جو ان کی نظم انگریزی لباس کے ساتھ درج ہے۔ اس میں انھیں ایڈیٹر پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بتایا گیا ہے۔ (''کلام رنجور عظیم آبادی''، ص۵) اس کتاب پر بطور مہتمم لیفٹی ننٹ کرنل ڈی سی فلوٹ کا نام درج ہے۔ اس مجموعے میں رنجور کا ایک طویل مضمون ''اسلام اور رسوم'' شامل ہے جو اس سے قبل ''لسان الصدق'' کلکتہ (زیر ادارت مولانا آزاد) میں چھپ چکا تھا۔ اسی میں رنجور کی نظم ''انگریزی لباس'' بھی شامل ہے جو اس سے پہلے ''مخزن'' جولائی ۱۹۰۴ء کے شمارے میں چھپی تھی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رنجور نے منشی شہاب الدین احمد صدیقی کے ساتھ مل کر لفظی و معنوی تشریحات یا ترمیمات کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر ناشر کے طور پر رنجور اور پتا ۱۴۱ گارڈنز لین، کلکتہ تحریر ہے۔ بحوالہ: عقیل، ''کلام رنجور''، ص٦۔

۸۔ یہ کتاب فوجی افسران کے لیے ہندوستانی زبان کی ذیلی سطح کے منظور شدہ نصاب کے تحت ترتیب دی گئی بحوالہ: عقیل ''کلام رنجور''، ص۹۔

۹۔ میجر، لیفٹی ننٹ کرنل ڈی سی فلوٹ کلکتہ یونیورسٹی کے بورڈ آف ایگزامنرز کا سکریٹری تھا۔ (عقیل، تنقیدات رنجور مشمولہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۹۹۵ء، یکم نومبر، ص۲ و نیز ''کلام رنجور''، ص۵ (''تنقیدات رنجور'' میں فلوٹ کو میجر جب کہ کلام رنجور عظیم آباد ص۹ پر اسے لیفٹی ننٹ کرنل لکھا گیا۔

۱۰۔ کلام رنجور''، ص۹۔

۱۱۔ ''تنقیدات رنجور''، ص۲: ڈاکٹر عقیل کا خیال ہے کہ اس کتاب کی ترتیب کا سارا کام بھی رنجور ہی نے کیا لیکن سرورق پر بطور مرتب ان کا نام درج نہیں البتہ فلوٹ نے پیش لفظ میں ان کے تعاون کا خصوصی شکریہ ادا کیا ہے۔ بحوالہ ''کلام رنجور''، ص٦۔

۱۲۔ 'کلام رنجور''، ص ۹ ۔

۱۳۔ مولوی سید سجاد علی ایک زمانے میں رنجور کے قائم مقام چیف مولوی کے طور پر کام کرتے تھے۔ اس کتاب پر قائم مقام سیکریٹری بورڈ آف ایگزامنرز سی۔ ایل۔ پرٹ (C.L.Peart) کا نام بطور مہتمم درج ہے۔ بحوالہ ''کلام رنجور'': ص٦

۱۴۔ بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق رنجور کی راسخ العقیدگی میں نہیں۔ جس کی وجہ سے اپنے دیوان کے نذرِ آتش کیے جانے کے مذکورہ بیانات کو تقویت ملی ہوگی؛ لیکن خود رنجور کی بعض تحریروں یا دیگر شواہد سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اصلاح سخن میں شامل شوق سندیلوی کے نام ان کا ایک خط ۱۹۲۰ء میں لکھا گیا اور اس میں بھی ترک شاعری کا کوئی اظہار نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ ۱۹۱٦ء اور اس کے آس پاس عرصے تک مختلف رسائل میں ان کی غزلیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بحوالہ: ''کلام رنجور'' و ''بیاض رنجور''، ص۷،۴۔

۱۵۔ ''بیاضِ رنجورؔ''، ص ۶ نیز ''کلام رنجورؔ'' ص ۷، ۸ نیز ''تنقیداتِ رنجورؔ'' مشمولہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی ص ۱۔
۱۶۔ اس کی تفصیل ''کلام رنجورؔ'' و ''بیاضِ رنجور'' میں ڈاکٹر عقیل نے دی ہے۔
۱۷۔ ۱۹۹۸ء۔
۱۸۔ بیاض رنجور، ص ۳، ۴۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۔
۲۰۔ ''دیوان رنجورؔ'' کے حرف آغاز میں مذکورہ مجموعے کو تین بیاضوں کا حاصل قرار دیا گیا ہے۔ جس میں سے ''گلہائے رنگ رنگ'' کو رنجورؔ کی نظم ونثر کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔ (بحوالہ؛ چغتائی، ''دیوان رنجور'' صفحہ نمبر چھ) ''نظم منتخب'' کے عنوان سے رنجورؔ کی کتاب درسی نوعیت کی ہونے کے باوجود شعر وسخن اور اس کے معیارات سے متعلق خود رنجورؔ کے خیالات اخذ کرنے کا موزوں ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اور متنوع موضوعات پر آپ کے مضامین ہم عصر رسائل وجرائد میں پابندی سے شائع ہوا کرتے تھے۔ بحوالہ ''کلام رنجورؔ'' و ''بیاض رنجور'' و ''تنقیداتِ رنجورؔ''۔
۲۱۔ یہ دراصل ''گلہائے رنگ رنگ'' نامی بیاض میں شامل ہے جس میں سے حصۂ نظم کو ''دیوانِ رنجورؔ'' میں شامل کیا گیا تھا۔ بحوالہ ''دیوانِ رنجورؔ'' ص چھ
۲۲۔ ''تنقیداتِ رنجورؔ'' مشمولہ ہفت روزہ ''ہماری زبان''، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، شمارہ ۴۱؛ جلد نمبر ۵۴، یکم نومبر ص ۱
۲۳۔ ''تذکرۂ کاملانِ بہار''، ص ۱۱۰۔۱۱۱
۲۴۔ کلامِ رنجور، ص ۲۷۔
۲۵۔ ایضاً، ص ۴۷۔
۲۶۔ کلامِ رنجور، ص ۶۷۔
۲۷۔ ایضاً، ص ۶۶/۶۷۔
۲۸۔ ایضاً، ص ۴۷۔
۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷ نیز دیوانِ رنجور، ص ۱۲۔
۳۰۔ کلامِ رنجور، ص ۷۷۔
۳۱۔ ایضاً۔
۳۲۔ ایضاً، ص ۷۶۔
۳۳۔ ایضاً، ص ۷۵/۷۶۔
۳۴۔ دیوانِ رنجور، ص ۶۸۔
۳۵۔ ایضاً، ص ۲۸۔
۳۶۔ بیاضِ رنجور، ص ۱۲۔
۳۷۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۳۸ دیوانِ رنجور، ص۴۳/۴۴۔
۳۹ بیاضِ رنجور، ص۴۶۔
۴۰ ایضاً، ص۲۰۔
۴۱ کلام، ص۷۰۔
۴۲ بیاض، ص۵۵۔
۴۳ دیوان، ص۳۹۔
۴۴ ایضاً، ص۳۵۔
۴۵ دیوان، ص۳۲/۳۴۔
۴۶ بیاض، ص۳۲۔
۴۷ دیوان، ص۱۰۔
۴۸ بیاض، ص۳۲۔
۴۹ دیوان، ص۵۰۔
۵۰ بیاض، ص۸۱۔
۵۱ ایضاً، ص۴۵۔
۵۲ ایضاً۔
۵۳ دیوان، ص۲۰۔
۵۴ کلام، ص۷۰۔
۵۵ بیاض، ص۲۲۔
۵۶ ایضاً، ص۴۳۔
۵۷ ایضاً، ص۳۰۔
۵۸ دیوان، ص۹۔
۵۹ بیاض، ص۲۶۔
۶۰ ایضاً، ص۴۹۔
۶۱ کلام، ص۶۰۔
۶۲ دیوان، ص۱۵۔
۶۳ ایضاً، ص۱۴۔
۶۴ ایضاً، ص۱۶/۱۷۔
۶۵ بیاض، ص۷۷۔

۶۶ ''تذکرۂ کاملانِ بہار''،ص۱۱۱۔
۶۷ ایضاً۔
۶۸ بیاض،ص۱۱۔
۶۹ ایضاً ،ص۱۴۔
۷۰ ایضاً،ص۱۸/۱۹۔
۷۱ کلام،ص۴۲/۴۳۔
۷۲ ایضاً،ص۴۴۔
۷۳ ایضاً،ص۵۵۔
۷۴ ایضاً،ص۶۴۔
۷۵ ایضاً،ص۶۲۔
۷۶ ایضاً،ص۶۳۔
۷۷ دیوان،ص۲۸۔
۷۸ تذکرۂ کاملانِ بہار،ص۱۱۱۔
۷۹ دیوان،ص۵۳تا۱۲۹۔
۸۰ سید احمد دہلوی،''فرہنگِ آصفیہ''لاہور،ص۱۶۰۔
۸۱ بصیرہ عنبرین،''تضمیناتِ اقبال''،۲۰۰۲ء،فکشن ہاؤس لاہور،ص۵۳۔
۸۲ دیوان ص۱۰۳/۱۱۴/۱۱۱/۱۱۷/۱۲۹(''بتوں کی جستجو......والی تضمین پر''انقلاب دہر'' کی سرخی لگائی گئی ہے۔نیز چاروں تضامین مخمس کی ہیئت میں ہیں)
۸۳ ایضاً،ص۵۵/۶۴/۸۰(تینوں تضامین مخمس کی ہیئت میں ہیں)
۸۴ ایضاً،ص۵۸(یہ بھی مخمس ہے)
۸۵ ایضاً،ص۷۸/۸۳ (جی چاہتا ہے یہ......والی تضمین پر یہ عبارت درج ''تضمین بر غزل مشفقی میر حیدر حسن صاحب نشاط امروہوی۔نیز دونوں تضامین مخمس کی ہیئت میں ہیں)
۸۶ دیوان میں اس تضمین کے آغاز پر یہ عبارت درج ہے، ''تضمین بر غزل مخلصی و خلیلی مولانا مولوی ابوالکلام محی الدین احمد صاحب آزاد دہلوی مقیم کلکتہ''۔
۸۷ دیوان،ص۱۱۹(مخمس کی ہیئت میں ہے)
۸۸ ایضاً،ص۱۰۵ (مخمس کی ہیئت میں ہے)
۸۹ دیوان،ص۹۵ (مخمس کی ہیئت میں ہے)
۹۰ ایضاً،ص۱۰۷ (مخمس کی ہیئت میں ہے و نیز،تضمین پر درج مکمل عبارت کچھ یوں ہے۔

''بیبیوں کا دور دورہ'،تضمین برغزل منشی علی عظیم صاحب عظیم عظیم آبادی؛ نئی روشنی کی مہذب بیبیاں)

۹۱ ایضاً،ص۰۷؛ اس تضمین کے آغاز میں یہ عبارت درج ہے؛ ''مخمس برغزل مکرمی مولوی حافظ سید عبدالرزاق صاحب کلامی متوطن رائے بریلی ساکن حال ٹونک

۹۲ ایضاً،ص ۶۷ (مخمس کی ہیئت میں ہے)

۹۳ ایضاً،ص ۱۱۲ (مخمس کی ہیئت میں ہے)

۹۴ ایضاً،ص ۶۰ (مخمس کی ہیئت میں ہے)

۹۵ ایضاً،ص۹۰/۹۲/۱۲۶؛ داغ کی ان تضامین میں سے پہلی اور تیسری پر نام کا اندراج یوں ہے: ''تضمین برغزل نواب فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم'' جب کہ دوسری تضمین میں ''مرحوم'' نہیں لکھا گیا۔ (تینوں تضامین مخمس کی ہیئت میں ہے)

۹۶ ایضاً،ص۷۶ (مخمس کی ہیئت میں ہے۔ نیز اس پر یہ سرخی درج ہے؛ ''نیرنگی زمانہ)

۹۷ ایضاً،ص۷۳ (مسدس کی ہیئت میں ہے، ٹیپ کا شعر یہ ہے:

چہ حسرت بزیر زمیں خوردہ باشم
کہ بر خاکم آئی و من مردہ باشم

۹۸ ایضاً ص۵۳ (مخمس کی ہیئت میں ہے، لیکن شاعر نے یہ التزام رکھا ہے کہ پہلے بند کے آغاز اور اختتام) پر ایک ہی دہرایا ہے۔ بقیہ بندوں میں صرف ایک مصرعہ شامل کر کے مخمس مکمل کی گئی ہے۔ شعر یہ ہے:

سارے جہاں سے اچھا ہے قادیاں ہمارا
دارالاماں ہمارا ، جنت نشاں ہمارا

۹۹ ایضاً،ص۶ (اس نظم پر یہ سرخی لگائی ہے؛ قادیانی غزل)

۱۰۰ ایضاً،ص۱۳۴۔

۱۰۱ خطوطِ آزاد،ص۴۲۔

۱۰۲ دیوانِ رنجور،ص۱۳۷۔

۱۰۳ ایضاً۔

۱۰۴ ایضاً،ص۱۴۳۔

۱۰۵ ایضاً،ص۱۴۵/۱۴۶۔

۱۰۶ ایضاً،ص۱۴۶/۱۴۷: کلامِ رنجور میں یہ مصرع اس طرح درج ہے ''ہو گئے رہگرائے دارِ بقا'' لیکن یہ سہوِ کتابت معلوم ہوتا ہے۔ (پورے قطعے کے آخری شعر سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ آخری دو شعر یہ ہیں:

سالِ تاریخ کی ہوئی جب فکر
ناگہاں غیب سے یہ آئی ندا

''سید و مولوی رحیم الدین
ہو گئے رہ گزارے دارِ بقا''

دوسرے شعر کے کل اعداد ۱۳۳۱ بنتے ہیں ،ایک قرینے سے اگر اس میں سے ''ہو'' کے گیارہ عدد نکال دیں تو ۱۳۲۰ برآمد ہو جاتے ہیں جو تقویم کے حساب سے ۱۹۰۲ء کا سن ہجری ہے۔ جب کہ دوسرے قرینے سے ''سید'' کی ایک دال اور ''الدین'' کی الف کے اعداد نہ گنے جائیں تب بھی ۱۳۲۰ نکلتے ہیں۔ (غالباً دیوان کی اشاعت میں صرف ۱۹۰۲ء کا اندراج ہی ہو سکا)

۱۰۷۔ خطوطِ آزاد، ص ۶ ۷ / ۷۷ (ضمیمہ کے عنوان کے تحت یہ عبارت درج ہے: ''قطعہ تاریخ تالیف ''حیات حکیم خاقانی شروانی'' از تصنیفات صدیقی وحبیبی مولانا ابوالکلام محی الدین احمد صاحب دہلوی'' از اثرِ خامہ ''محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی، چیف مولوی بورڈ آف ایگزامنرس، کلکتہ''

۱۰۸۔ دیوان، ص ۱۳۱۔ مسز ہیمنس FELECIA DOROTHEA HEMANS: 1793-1835 انگریزی شاعری کے رومانوی عہد کے دورِ آخر کی ایک نمایاں شاعرہ ہے۔ برطانیہ کے شہر لیور پول میں پیدا ہوئی۔ عمر کا آخری حصہ ڈبلن میں گزارا۔ اپنے عرصۂ حیات میں اس کے تخلیقی کاموں پر مشتمل انیس کتابیں منظرِ عام پر آئیں اور ان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کی کئی نظمیں ثانوی جماعتوں کے نصابات میں طویل عرصے تک شامل رہیں۔ تخلیقی سطح پر وہ اپنے عہد کی ایک ایسی توانا اور مضبوط نسائی آواز تھی جو نہ صرف خود بہت کامیاب رہی بلکہ اپنے عصر کی خاتون تخلیق کاروں کے مسائل کو بھی اجاگر کرتی رہی۔ فیلیسا کے یہاں ایک دل چسپ رجحان اس کے تخلیق پاروں میں نسائی کرداروں کی خودکشی ہے۔......بحوالہ: http://en.wikipedia.org/wiki/Felicia_Hemans

۱۰۹۔ دیوان، ص ۱۳۱۔ کاسابیانکا (CASABIANCA): نامی نظم فیلیسا ڈوروتھی ہیمنس کی ہے جو ۱۸۶۲ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ اصلاً یہ نظم انگریزی شاعری کے نظام balled meter میں لکھی گئی۔ نظم کی بنیاد نیل کی جنگ کے دوران ۱۷۸۹ء میں پیش آنے والے ایک واقعے کے تناظر میں لکھی گئی۔ واقعات کی تاریخی صداقت اپنی جگہ لیکن ہیمنس کی نظم کا مقصد وفاداری، استقامت اور عزم و جرات کی داستان کو زندہ کرنا تھا۔ ہیمنس اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیاب رہی یہ نظم ۱۸۵۰ء سے ۱۹۵۰ء کے دوران ایک صدی تک امریکہ اور برطانیہ کے طالب علموں کو ثانوی جماعتوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ اس نظم کی مدد سے ان طالب علموں کے ذہن میں کئی طرح کے ثقافتی سوالات بھی پیدا کیے جاتے تھے۔ اس کی اس نظم نے مابعد دور میں کئی انگریزی شاعروں کو متاثر کیا......بحوالہ
http://en.wikipedia.org/wiki/Casabianca_%28poem%29

۱۱۰۔ دیوان، ص ۱۳۲۔

۱۱۱۔ اصلاحِ سخن، ص ۱۸۴۔

۱۱۲۔ راقمۃ الحروف نے جامعہ کراچی کے ایک ریسرچ پروجیکٹ کے تحت ان تمام مجموعوں کو ترتیب دے کر کلیات کی شکل دی ہے۔ البتہ ان کی رباعیات کا مجموعہ دستیاب نہ ہو سکا۔ کوشش ہے کہ یہ بھی حاصل ہو جائے تاکہ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا سکے۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

(الف) بنیادی مآخذ

کلام رنجور عظیم آبادی مرتبہ معین الدین عقیل، ۱۹۹۶ء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

بیاضِ رنجور عظیم آبادی، مرتبہ معین الدین عقیل، ۱۹۹۸ء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

دیوانِ رنجور رعظیم آبادی، ۲۰۰۰ء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

(ب) ثانوی مآخذ

بصیرہ عنبرین، ''تضمیناتِ اقبال''، ۲۰۰۲ء، فکشن ہاؤس، لاہور۔

شوق سندیلوی، مرتبہ ''اصلاحِ سخن''، ۱۹۲۶ء، علی گڑھ۔

عبدالرحیم، مولوی، ''الدار المنشو رفی تراجم اھل صادقپور المعروف بہ تذکرۂ صادقہ''، ۱۹۲۷ء، الہ آباد۔

عبدالمنان بیدل، پروفیسر، ''تذکرۂ کاملانِ بہار'' ۱۹۹۵ء، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔

عقیل، معین الدین، ڈاکٹر، ''تنقیداتِ رنجور'' مشمولہ

فاطمی قدرت اللہ (مرتبہ) ''مکاتیب آزاد'' مشمولہ خدا بخش لائبریری جنرل (پٹنہ) ۱۹۸۸ء۔

مالک رام مرتبہ ''خطوطِ ابوالکلام آزاد'' ۲۰۱۴ء، لاہور۔

ندوی، احمد اللہ، سید، ''مسلم شعرائے بہار'' حصہ دوم، سن ندارد، کراچی۔

(ج) رسائل

ہفت روزہ ''ہماری زبان''، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، شمارہ ۴۱؛ جلد نمبر ۵۴، یکم نومبر۔

(د) حوالہ جاتی کتب

سید احمد دہلوی، ''فرہنگِ آصفیہ''، لاہور۔

اردو لغت تاریخی اصول پر، کراچی۔

(ہ) ویب گاہیات:

http://en.wikipedia.org/wiki/Felicia_Hemans

http://en.wikipedia.org/wiki/Casabianca_%28poem%29